مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

رسالتِ محمدی کی عظمت

اس جاہلی عصر کا المیہ ـــــ جس کے انحطاط و زوال پر مورخین کا اتفاق ہے ـــ کفر و فجور، معاصی اور گناہ، ظلم و سرکشی، انسان کی حیثیتِ عرفی کا ازالہ اور اس کے حقوق کی پامالی، جابر حکومتوں اور ظالم بادشاہوں کا غلبہ نہ تھا،.... اسی طرح یہ المیہ خدا کی عبادت کرنے والے صالح بندوں کی کمی اور ان کی کمزوری بھی نہ تھی، اگرچہ یہ سب چیزیں قابلِ افسوس ہیں، لیکن یہ سب انسانیت کی طویل تاریخ میں بارہا ہو چکا، اور اس کے خلاف دعوت و اصلاح کے مردِ میداں، بیدار ضمیر اور قوی عزائم والے افراد اپنے اپنے زمانوں میں کام بھی کرتے رہے ہیں۔

دراصل جاہلیت کا وہ المیہ جس کے نتائج بد سے انسانیت کو نجات دینے، اور انسان کی حیثیت عرفی بحال کرنے کے لیے بعثت محمدی ہوئی، وہ المیہ یہ تھا کہ علمِ صحیح، نیک ارادے اور حق کے لیے سینہ سپر ہونے والی اور باطل سے پنجہ آزمائی کرنے والی جماعت اس وقت کی وسیع دنیا میں کہیں پائی نہیں جاتی تھی یہ المیہ اس حقانی گروہ کی نایابی کا تھا، جو شر کی طاقتوں سے نبرد آزما ہو کر خیر کی بنیادوں پر ایک عالم نو کی تعمیر کر سکے۔

علمِ صحیح کا فقدان

عصر جاہلیت میں وہ علم صحیح گم ہو گیا تھا، جس کے ذریعے انسان اپنے رب کو اچھی طرح پہچانتا اور اس تک پہنچتا ہے، اور جس کے ذریعہ صحیح، خالص، اور پسندیدہ عبادت کر سکتا ہے، ایسے زمانے میں اگر صحیح اور قوی ارادہ اور طلب صادق کسی شخص میں پائے بھی جائیں، تو اس کے لیے ماحول کی خرابی کے سبب کچھ زیادہ مفید نہیں ہو سکتے ایسے زمانے میں جو علم بھی پایا جاتا ہے، وہ جہالت و خرافات کی آمیزش لیے ہوئے اور اپنی اصل سے ہٹا ہوتا ہے، اس میں صحت کم غلطی زیادہ، نفع تھوڑا اور نقصان بہت ہوتا ہے۔

قوی ارادۂ خیر کی کمی

اور اگر یہ علم صحیح اپنی کمیابی کے باوجود کسی عالم کے سینے یا کسی حکیم کے سفینے میں یا قدیم زمانے میں نازل شدہ کسی علم کی باقیات کے طور پر کہیں پایا بھی جاتا ہے تو اپنے حق میں وہ ارادۂ خیر نہیں پاتا جو اسے اس کی جگہ سے چن لے اور اسے متاع جان بنائے اور اس کے

ذریعہ اپنی نفسانی خواہشات اور معاشرے کا مقابلہ کر سکے۔

چنانچہ اس عہد میں خداطلبی اور تلاشِ حق کا جذبہ مفقود ہوگیا تھا، قوتیں، اور عزیمتیں اس کی طلب کے سلسلے میں درماندہ ہوچکی تھیں، وہ طلب معاش، ہوس رانی، نفس کے مطالبات کی تکمیل، بادشاہوں کی اندھی اطاعت، اور ان کے لیے جاں سپاری میں لگ گئی تھیں، محبت کے شعلے بجھ چکے تھے، دلوں کی انگیٹھیاں سرد پڑ گئی تھیں، اور ان پر حُبِّ دنیا کی برف جم گئی تھی۔ دین کے مظاہر و آثار میں سے صرف خرافات بت پرستی، اور سطحی قسم کے رسم و رواج باقی رہ گئے تھے۔

حق کی حامی و ناصر جماعت کا فقدان

اگر بفرضِ محال ایسے ماحول میں کہیں علم صحیح اور ارادۂ خیر کا وجود بھی تھا تو کوئی ایسی پشت پناہ جماعت اور طاقت نہ تھی جس کا وہ سہارا لیتے اور کمزور پڑنے پر اس سے طاقت حاصل کرتے، چنانچہ یہ دونوں چیزیں انفرادی کوششوں اور شخصی اصلاحات ہی میں ضائع ہوگئیں، اور یہ افراد —— جو کلیساؤں، مندروں یا غاروں اور پہاڑ کی چوٹیوں میں گوشہ گیر تھے —— ایسے چراغ کی مانند تھے جس کا فتیلہ جل چکا، جس کا تیل ختم ہوچکا، اور اس کا نور ہلکا پڑ چکا ہو، ان کی مثال ایسے جگنوؤں کی تھی، جو سرما کی بارش زدہ اور تاریک راتوں میں اِدھر اُدھر اڑتے اور چمکتے ہیں، لیکن ان سے نہ کوئی بھولا بھٹکا مسافر راستہ پا سکتا ہے اور نہ کوئی سردی سے کپکپایا ہوا غریب گرمی پا سکتا ہے۔

ایک آفتاب تازہ کی ضرورت

وہ علم صحیح جو لوگوں کو اس کائنات کے خالق و مالک کی ذات و صفات و برگزیدہ ناموں کی صحیح پہچان عطا کرے، انہیں اس سے ایک مضبوط اور نئے رشتے میں جوڑ دے، عقلوں اور دماغوں کو نئے ایمان و یقین سے بھر دے دلوں کو محبت سے پُر کر دے، غلو کرنے والوں کی تحریف، اور باطل پسندوں کے غلط الحاق و انتساب کو دور کر کے لوگوں کو اندھیرے سے اُجالے اور شک سے یقین تک پہنچا دے، وہ علم صرف نبوت محمدی کی شکل میں دنیا کو ملا، وہی ان اوہام و خیالات اور مغالطوں کا پردہ چاک کر سکتا تھا، جن میں دنیا کی بت پرست اور خدا ناآشنا قومیں عرصہ سے مبتلا تھیں، وہی یہود و نصاریٰ، اور اہل کتاب کا صحیح احتساب کر سکتا تھا۔ اور ان میں اگر خوف خدا اور انصاف ہوتا تو وہ اعتراف کرتے کہ ستارے ماند پڑ چکے، بطن گیتی سے آفتاب تازہ پیدا ہوچکا ہے، اور صبح کی روشنی چراغوں سے بے نیاز کر چکی ہے۔

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ
رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً ۝ فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ ۝

اہل کتاب میں سے کافر لوگ اور مشرکین چھوڑنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل یعنی اللہ کی طرف سے رسول نہ آجاتا جو پاکیزہ اوراق کی تلاوت کرتا جن میں قیمتی کتابیں ہیں

فلسفہ اور شرک کی، ایمان کو کمزور اور انسان کو گمراہ کرنے کے لیے سازش

ارادۂ خیر ہمیشہ علم صحیح اور ایمان قوی کے تابع ہوتا ہے، جب انسان چند حقائق پر ایمان لاتا اور منافع اور مضرتوں کو سمجھتا ہے، اور اس میں امید و بیم، خوف و طمع کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، تو اس کے ارادے بھی اس کا ساتھ دیتے اور اس کے اعضا بھی مدد کرتے ہیں، لیکن عصر جاہلی میں ایمان قوی مفقود ہوگیا اور انسان خدا کے اور جنت دوزخ کے وجود اور آخرت اور اپنے اعمال کی جواب دہی کے عقیدہ سے محروم ہوگیا تھا، فلسفہ و شرک نے بھی اس ایمان اور خدا و بندہ کے باہمی ربط کو کمزور کرنے میں خاصا حصہ لیا، فلسفہ نے صفات کی نفی میں غلو سے کام لیا، اور شرک نے ان صفات میں مخلوق کو شامل کردیا، اس طرح دونوں نے عبد و معبود کے روابط کو نقصان پہنچایا، چنانچہ جس شخص کا تعلق فلسفہ سے ہوا، اسے صفاتِ قدرت و حکمت اور رحمت و محبت سے مجرد خدا سے رجوع کرنے اور اس سے ڈرنے یا اس سے پرامید ہونے کی کوئی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی اور جو شرک میں مبتلا ہوا وہ مخلوقات ہی سے التجا و التماس میں مشغول رہا اور اسے آنکھوں سے غائب مگر بندوں کے معاملات میں دخیل، خدا سے التجا کی نہ ضرورت پیش آتی تھی، اور نہ اس کی فرصت ملتی تھی۔

اس طرح دنیا دو کیمپوں میں تقسیم ہوگئی تھی، ایک کیمپ تو اپنے اندر آخرت کے لیے کسی کوشش کا کوئی داعیہ اور جذبہ نہیں پاتا تھا۔ اور دوسرے کیمپ کو رب الارباب سے سوال کی فرصت ہی میسر نہیں ان دونوں نظریات نے جاہلیت کی پوری دنیا اور طویل عہد کو خدا سے کاٹ کر رکھ دیا، اور انسانی دل کے اندر محبت اور خدا طلبی کا شعلۂ فروزاں بجھ کر رہ گیا، اسی طرح انسانی فطرت میں ودیعت کی ہوئی صلاحیتیں اور قوتیں جمود و خمود، شرک و خرافات، نفس اور بادشاہوں کی غلامی، طاغوت اور شیطان کے فریب کا شکار ہوگئیں اور مشرق سے لے کر مغرب تک کی تمام انسانی دنیا ان اصنام اور معبودوں کی عبادت میں مبتلا تھی جنہیں اس کے تخیل نے جنم دیا تھا، یا جو موروثی طور پر رسم و رواج کا جزبن چکے تھے، یا ان مقاصد، نصب العین اور اقدار حیات کی ماتحت ہو کر رہ گئی تھی، جنہیں اس نے خود ہی گڑھا اور اپنے لیے لازم کرلیا تھا اور ان سب پر حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول صادق آگیا تھا۔

أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ۔ کیا تم انکی عبادت کرتے ہو جنہیں تم اپنے ہی ہاتھوں سے گڑھتے ہو!

جاہلی ماحول میں تبدیلی، نبی کی لائی ہوئی عالمگیر دعوتِ ایمانی ہی سے ممکن ہے:

قوت قدسیہ کے مؤید من اللہ انسان کے سوا کسی کے لیے صدیوں سے گم شدہ ایمان کو دلوں میں پھر سے تازہ کرنا اور ایک نئی لگن اور عشق پیدا کر دینا ممکن نہ تھا، اور نہ یہی ممکن تھا کہ اس کے قوی ارادوں کو پر فریب اور لذیذ دنیوی زندگی کی طلب اور نفس کے عزیز و لذیذ تقاضوں کی تکمیل سے باز رکھا جا سکے، اور انہیں عظیم الشانؐ بادشاہوں کی خوشامد سے ہٹا کر ان دیکھے خدا کی طلب پر مائل اور اسے خدا کی مرضی پر راضی، اور اس کے راستہ میں جان و مال اور عزیز رشتے کی، ثوابِ آخرت کی امید پر قربانی کرنے پر آمادہ کیا جا سکے۔

اس اہم کام بلکہ کارنامے کے لیے تو اس آہنی ارادے کی ضرورت ہوتی ہے، جسے سر بفلک پہاڑ بھی نہ ہلا سکیں، اور جنہیں جن و انس کی مجموعی مخالفت بھی نہ کمزور کر سکے، اسی حقیقت کی ترجمانی زبان نبوت سے نکلے ہوئے اس فقرہ نے کی تھی۔

لو وضعت الشمس فی یمینی والقمر فی یساری ما ترکت ھذا الامر حتی یظھرہ اللہ او اھلک فی طلبہ [1]۔

اگر قریش میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند بھی رکھدیں تو میں تبلیغ کے اس کام کو ترک نہیں کر سکتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غالب کر دے یا میں اس کی طلب میں ہلاک ہو جاؤں۔

اس کام کے لیے اس قوی ایمان کی ضرورت تھی جو اگر تمام دنیا اور دنیا والوں پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کے لیے کافی ہو جائے اور سب کے شک کو یقین، اور ضعف کو قوت سے بدل دے، وہ ایمان صاحب ایمان کی زبان سے اس وقت بھی بولتا ہے، جب زبانیں گنگ ہو جاتی اور نگاہیں چوندھیا جاتی ہیں چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ غار کے دہانے پر جاتی دشمن کھڑے ہیں۔ مگر نبیؐ اپنے ساتھی کو تسلی دے رہا ہے لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا [2] غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

نبیؐ کی نگاہیں بعد مکانی و زمانی اور مختلف پردوں کے حائل ہونے کے باوجود عرب کے ایک فقیر بدوی سراقہ کے ہاتھوں میں شہنشاہِ ایران، کسریٰ کے کنگن اور بھوک کی شدت اور محاصرے کی طوالت کے باوجود خندق کے ایک پتھر کی چنگاری میں قیصر روم کا سفید محل دیکھ لیتی ہیں سفر ہجرت کے موقع

---

[1] رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا ایک ٹکڑا، تفصیل کیلئے ابن کثیر کی البدایہ والنہایہ ۳/۴۲ دیکھی جائے [2] توبہ

پر سراقہ بن جعشم جب تعاقب کرتا ہوا پہنچا اور اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اس نے اپنی گستاخی کی معافی چاہی تو آپ نے فرمایا سراقہ وہ کیا وقت ہوگا، جب شاہ ایران کسریٰ کے کنگن تمہارے ہاتھ میں ہوں گے، مدائن فتح ہونے پر کسریٰ کے جب طلائی کنگن مالِ غنیمت میں آئے تو حضرت عمرؓ نے سراقہ کو پہنایا اور ناقابل قیاس پیشینگوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی اسی طرح غزوۂ خندق میں جب آپ نے ایک پتھر پر کدال ماری اس سے ایک شعلہ سا نکلا تو آپ نے فرمایا کہ اس روشنی میں میں نے قیصر کا سفید محل دیکھا نبوت کی یہ دوربینی بھی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی اور مسلمان قیصر کے محل پر قابض ہوئے۔[1]

عالمگیر جاہلیت کا خاتمہ اور اس کی جگہ زندگی ویقین، اور دینی جوش کا اعادہ ایسے ہی طاقتور اور پیغمبرانہ ایمان کے ذریعہ ممکن ہوتا ہے، اور انسان کے حق میں خدا کی رحمت کے تحت ظہور میں آتا ہے۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِن كَانُوا مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ [2]

وہ ذات جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیات سناتا ان کی سیرت کو سدھارتا، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ [3]

وہ ذات جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ اسے وہ تمام دینوں پر غالب کردے خواہ اسے مشرکین کتنا ہی ناپسند کریں۔

دائمی اصلاح وجدوجہد والی قوم کی ضرورت

جاہلیت کا یہ فساد چند مصلح افراد یا کسی مضبوط جماعت، یا کسی بڑے ادارے کے بس سے باہر تھا اس لیے کہ یہ فساد اپنی آخری شکل کو پہنچ گیا اور ناقابل علاج بن چکا تھا، اس کے لیے ایک مستقل امت کی ضرورت تھی، جو اس کے لیے متحدہ اور مسلسل جدوجہد کرتی رہے، اور خدا کی زمین میں پھیل کر باطل جہاں بھی ہو اس کا مقابلہ کرے، شر کی طاقت جہاں بھی ہو اسے اکھاڑ پھینکے اور خدا کی سرزمین کو عدل و

---

[1] تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو کتب حدیث وسیرت۔

[2] الجمعہ ۲۔ [3] الصف ۳۔

انصاف سے بھر دے جیسے کہ وہ ظلم وجور سے بھری جا چکی تھی، اس طرح دنیا کو ایک پیغمبر اولوالعزم کی ضرورت تھی، جس کی امت ایک عظیم امت ہو، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ [1]

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے برپا کی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

صاحبو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ٹھیک اس وقت ہوئی، جب انسانیت اس کے لیے اسی طرح چشم براہ اور گوش برآواز تھی، جیسے گرمی سے جلسی ہوئی فضا اور تپتی ہوئی زمین موسم کی پہلی بارش کے لیے ہوتی ہے۔

وَتَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَأَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۝ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتَىٰ وَأَنَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ [2]

اور تم زمین کو مرجھائی ہوئی دیکھتے ہو اور جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو لہلہا اٹھتی، نمو پذیر ہونے اور ہر قسم کے دلفریب پھل پھول اگانے لگتی ہے، یہ ثبوت ہے کہ اللہ ہی معبود برحق ہے اور وہی مردے کو جلاتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

بعثت محمدیؐ کی انقلابی تاثیر

دریکایک اس مردہ انسانی جسم میں ـــــ جسے نسل انسانی کہا جاتا ہے ـــــ روح حیات دوڑنے لگتی ہے اور اچانک یہ مردہ انگڑائی لینے لگتا ہے، جو سڑنے گلنے کے قریب ہو گیا تھا، اس حقیقت کو مورخین اپنی محدود زبان میں ایوانِ کسریٰ کے لرزنے اور آتش فارس کے بجھنے سے تعبیر کرتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ پختہ اور مضبوط عمارتیں اور فلک بوس محلات زمین کے زلزلے کی ایک حرکت سے خزاں زدہ پتوں کی طرح زمین پر آ رہتے ہیں۔ تو قیصر و کسریٰ کے نظام اور فراعنۂ عصر کے کارنامے نبیٔ اعظم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کی بعثت اور دنیا میں صبح سعادت کے طلوع سے کیوں زوال پذیر نہیں ہو سکتے [3]

---

[1] آل عمران ۱۱۰ [2] الحج ۵، ۶

[3] معقل الانسانیۃ از مولف ص ۲،۲

ایک نئی دنیا کا ظہور

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت صرف ایک نبی کی یا صرف ایک امت کی یا ایک عصر ہی کی پیدائش نہیں بلکہ ایک نئی دنیا کی پیدائش تھی، جو آپ کی بدولتِ ظہور میں آئی اور آپؐ کی یہ دنیا تا قیامِ قیامت باقی رہے گی، جب میراث عالم کا آخری وارث خدائے تعالیٰ ہوگا۔

آپؐ کی بعثتِ مبارکہ کے آثار اس دنیا کے چپے چپے پر موجود اور اس کے ذرّے ذرّے میں سرایت کیے ہوتے ہیں، اور دنیا اپنے عقیدے، اندازِ فکر، تہذیب و تمدن، اخلاق و معاشرت اور علم و ثقافت کے سلسلے میں بعثت محمدی سے متاثر ہی نہیں بلکہ اس کے اثرات اس میں اس طرح پیوست ہو چکے ہیں کہ کسی طرح اس کا ان سے جدا ہونا ممکن نہیں، اور اگر وہ اس سے الگ کر دیتے جائیں تو وہ اپنے بہترین سرمائے اور اثاثے سے محروم ہو جائے گی، دنیا دراصل اپنی زندگی کے لیے بھی بعثتِ محمدیؐ کی ممنون ہے اس لیے کہ اسی نے اسے زندگی کا استحقاق بخشا اور اس کی عمر میں اضافہ کر دیا، اور خیر کو شر پر غالب کر کے خدائی غضب کی مار اور اللہ کی لعنت اور بدبختی سے اسے بچا لیا جس کی وہ مستحق ہو چکی تھی، دنیا بعثتِ محمدیؐ سے پہلے اس کی بالکل سزاوار تھی کہ اس کی بساط الٹ دی جائے اور اس کی بنیاد کھود ڈالی جائے۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ [۱]

لوگوں کے کرتوتوں کے سبب خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا تاکہ وہ انہیں ان کے کیے کا کچھ مزہ چکھائے شاید وہ اپنے کیے سے باز آئیں۔

حدیث شریف میں اس سلسلے میں آیا ہے۔

إن الله نظر إلى أهل الأرض فمقتهم عربهم وعجمهم إلا بقايا من أهل الكتاب

اللہ نے اہل زمین کی طرف نظر کی اور عرب و عجم دونوں کو ناپسند کیا سوا تھوڑے سے اہلِ کتاب کے۔

عصرِ جاہلی کی تصویر

خدا نے جو خبیر و علیم بھی تھا، زمین پر کیا دیکھا؟ اس نے یا تو کسی کو بت کے آگے سجدہ ریز دیکھا یا کسی کو پیٹ کا پجاری یا کسی کو سلطان اور شیطان

---

[۱] سورۃ الروم ۴۱

کا بندہ پایا، جہاں تک دینِ خالص، طلبِ صادق، علم صحیح اور عملِ صالح، اللہ سے رجوع، آخرت کی سعی، کا سوال تھا تو یہ چیزیں نایاب اور کیمیا کی طرح عزیز الوجود ہوگئی تھیں، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف "حجۃ اللہ البالغۃ" میں اس دورِ جاہلیت کی جو تصویر پیش کی ہے، میں نے اس سے بہتر تصویر کسی مصنف کے قلم سے نہیں دیکھی، فرماتے ہیں۔

"صدیوں سے آزادانہ حکومت کرتے کرتے، اور دنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے، آخرت کو یکسر بھول جانے، اور شیطان کے پورے اثر میں آجانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے زندگی کی آسانیوں اور سامانِ آرائش میں بڑی موشگافی اور نازک خیال پیدا کر لیا تھا اور اس میں میں ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور فخر کرنے کی کوشش کرتے تھے، دنیا کے مختلف گوشوں سے ان مرکزوں میں بڑے بڑے اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہوگئے تھے، جو اس سامان آرائش اور راحت میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے اور نئی نئی تراش خراش نکالتے تھے ان پر عمل فوراً شروع ہوجاتا تھا اور اس میں برابر اضافے اور جدتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان باتوں پر فخر کیا جاتا تھا، زندگی کا معیار اتنا بلند ہوگیا تھا کہ امراء میں سے کسی کا ایک لاکھ درہم سے کم کا ٹپکا باندھنا اور تاج پہننا سخت معیوب تھا، اگر کسی کے پاس عالی شان محل، فوارہ، حمام، باغات خوش خوراک اور تیار جانور، خوش رو جوان اور غلام نہ ہوتے، کھانے میں تکلفات اور لباس و پوشاک میں تجمل نہ ہوتا، تو ہم چشموں میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی، اس کی تفصیل بہت طویل ہے، اپنے ملک کے بادشاہوں کا جو حال دیکھتے اور جانتے ہو، اس سے قیاس کر سکتے ہو[1] یہ تمام تکلفات، ان کی زندگی اور معاشرت کا جزء بن گئے تھے، اور ان کے دلوں میں اس طرح رچ بس گئے تھے، کہ کسی طرح نکل نہیں سکتے تھے، اس کی وجہ سے ایک ایسا لاعلاج مرض پیدا ہوگیا تھا، جو ان کی پوری شہری زندگی، اور ان کے پورے نظام تمدن میں سرایت کر گیا تھا، یہ ایک مصیبت عظمیٰ تھی، جس سے عام و خاص اور امیر و غریب میں سے کوئی محفوظ نہیں رہا تھا، ہر شہری پر یہ پُر تکلف اور امیرانہ زندگی ایسی مسلط ہو چکی تھی، جس نے اس کو زندگی سے عاجز کر دیا تھا، اور اس کے سر پر غم و افکار کا ایک پہاڑ ہر وقت رکھا رہتا تھا، بات یہ تھی کہ یہ تکلفات بیش قرار رقمیں صرف کیے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تھے، اور یہ رقمیں، اور بے پایاں دولت کاشتکاروں

---

[1] شاہانِ دہلی، اور مغل بادشاہوں کی طرف اشارہ ہے۔

تاجروں اور دوسرے پیشہ وروں پر محصول اور ٹیکس بڑھانے اور ان پر تنگی کیئے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی تھیں، اگر وہ ان مطالبات کے ادا کرنے سے انکار کرتے، تو ان سے جنگ کی جاتی اور ان کو سزائیں دی جاتیں اور اگر وہ تعمیل کرتے تو ان کو گدھے اور بیلوں کی طرح بنا لیتے جن سے آبپاشی اور کاشتکاری میں کام لیا جاتا، اور صرف خدمت کرنے کے لیے ان کو پالا جاتا ہے اور محنت و مشقت سے ان کو کسی وقت چھٹی نہیں ملتی۔ اس پرمشقت اور حیوانی زندگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کسی وقت سر اٹھانے اور سعادت اخروی کا خیال بھی کرنے کا موقع اور مہلت نہیں ملتی تھی، بسا اوقات پورے پورے ملک میں ایک فرد بشر بھی ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر اور اہمیت ہوتی۔“ لہ

نیا عالمی رجحان

بعثتِ محمدیؐ نے اس جاہلی ماحول کو یکسر بدل دیا اور متمدن دنیا میں ایمان و خدا طلبی، جہاد و سعیِ آخرت، انسانیت کو اس کے دشمنوں سے بچانے قوموں کو زوال کے بعد عروج اور لوگوں کو لوگوں کی بندگی سے نکال کر خدا کی بندگی میں اور دنیا کی تنگنائے سے آخرت کی وسعتِ بیکراں اور مذاہب کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف لانے کی طاقتیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور اس مقصدِ عظیم کی طرف اہل عزیمت افراد کی ہمتیں، اصحاب صلاحیت کی صلاحیتیں اذکیار کی ذہانتیں، ادیبوں کا علم و فضل اور شعرار کے ذوق و وجدان، سورماؤں کی تلواریں اہل علم کے قلم، ممتاز افراد کی عبقریتیں، متوجہ ہوگئیں اور اس دنیا میں جو صرف ایک قسم اور ایک طرز کی نفس کی غلام، شہوت کی اسیر، اور ہوس کی پرستار انسانیت ہی کو جانتی تھی، اب ہر زمانے میں اور ہر جگہ خدا کے مخلص بندے ربّانی و حقائق علمار، عادل حکمراں، زاہد بادشاہ، مجاہد مرد اتنی کثرت سے پائے جانے لگے کہ شاید ریت کے ذروں اور صحرا کی کنکریوں سے بھی ان کی تعداد ـــ بڑھ گئی، ان پر خدا کو فخر تھا اور تاریخ ان کے احترام پر مجبور اور دشمن بھی ان کے آگے سرنگوں تھے اور بالآخر صحیح اور مفید علم اور صالح اور برگزیدہ عمل، خیر پسندی کا قوی جذبہ اور مومن و مجاہد جماعت کے افراد ہر طرف پھیل گئے، جو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے، اللہ پر ایمان لاتے اور اس کے راستے میں جہاد کرتے اور اس سلسلہ میں کسی ملامت کی پروا نہیں کرتے تھے، اور اس طرح جہاد و اصلاح، دعوت و ارشاد کی ایک مسلسل تاریخ بن گئی جس میں کوئی خلل اور وقفہ نہیں۔

لہ حجۃ اللہ البالغۃ۔ باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم۔

لا تزال طائفة من أمتی ظاھرین علی الحق لا یضرھم من خذلھم حتی یأتی أمر اللّٰہ[1]

میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق کے ساتھ غالب رہے گا اور ان کا مخالف انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی ۔

امتِ محمدیؐ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزۂ عظیم ہے

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب "الجواب الصحیح" میں بعثت محمدیؐ کے لائے ہوئے انقلابی اثر، اس کی اہمیت اور نتائج کی بڑی اچھی تصویر کشی کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و اخلاق، اقوال و افعال اور ان کی شریعت خدا کی آیات میں سے ہے اور ان کی امت کا علم و دین اور اس امت کے صالحین کی کرامات بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں ۔

رسول اکرمؐ، اللہ کے حکم پر پوری طرح قائم رہے، اور اس میں پوری صداقت، عدل اور وفاداری برتتے رہے، کبھی کوئی جھوٹ، کسی پر ظلم، کسی سے بے وفائی ثابت نہیں بلکہ آپؐ لوگوں میں سب سے زیادہ سچے، اعتدال پسند اور وفا شعار تھے، اگرچہ آپؐ جنگ و صلح، امن و خوف، فقر و خوشحالی، قلت و کثرت کامیابی و ناکامی کے مختلف حالات سے برابر گزرتے رہے، لیکن ان تمام حالات میں اچھے اور پسندیدہ راستے سے آپؐ کبھی نہیں ہٹے، حتیٰ کہ دعوتِ اسلام عرب کی اس سرزمین میں پھیل گئی جو اس سے پہلے بت پرستی، کواکب پرستی، کفر و شرک، قتل و سفاکی اور قطع رحمی، سے بھری تھی اور جو لوگ آخرت اور معاد کو جانتے تک نہ تھے، اب وہ روئے زمین پر سب سے زیادہ علم والے، دین والے، انصاف اور فضیلت والے بن گئے، حتیٰ کہ شام کے نصاریٰ بھی ان کو دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ مسیحؑ کے ساتھی اور حواری ان سے بہتر نہ تھے، اور روئے زمین پر آج بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے علم و عمل کے آثار پھیلے ہوئے ہیں اور اہل فہم دونوں کا فرق کھلے طور پر محسوس کرتے ہیں،" اسی طرح آپؐ کی امت تمام امتوں سے ہر معاملہ میں برتر و بہتر ہے، اگر ان کے علم کا مقابلہ دوسری قوموں کے علم سے اور ان کے دین اور طاعت و عبادت کا دوسروں کے دین، طاعت و عبادت سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ علم و عبادت میں دوسروں سے بہت آگے ہیں اور اگر ان کی شجاعت اور اللہ کے راستے میں جہاد اور اللہ کے لیے مصائب کی برداشت کا جائزہ لیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ وہ اس باب میں بھی سب سے بڑھ کر ہیں اور اگر ان کی سخاوت و فیاضی اور دوسروں کے لیے ایثار و خوش اخلاقی پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ دوسروں

[1] صحیح مسلم ص۱۴۳ ج ۲

(بقیہ ص۶۲ پر)